# بچوں کی تربیت میں نفسیات کا کردار

## اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

* ڈاکٹر عبدالحئی المدنی

* ایسوسی ایٹ پروفیسر این ای ڈی یونی ورسٹی کراچی

ABSTRACT

The importance of the children is reflected throughout the Seerah of the Holy Prophet peace be upon him because the future of the world depends upon the children. In Seerah, we learn that children are very precious and important. They are like matchless treasure for the humanity, and should be treated with love and care. Islam is a social religion and encourages its followers to practise social life so that they may be able to act upon its teachings. Society cannot survive without children. Good society needs good citizens, which is not possible without proper education and training of next generations. The Holy Prophet peace be upon him gives clear directions to bring them up as independent and confident personalities. They are encouraged by the Holy Prophet peace be upon him to take part in almost all social and religious activities.They should be made aware of the five basic pillars of Islam and keen to acquire knowledge of their religion.The Holy Prophet peace be upon him describes childrens's virtues in detail which is a unique aspect of his teachings. His special instructions for orphans reveal his love and affection for helpless and homeless children.

اسلام نے معاشرے کے ہر طبقے کی ہدایت و رہنمائی کے جو اصول وضوابط مقرر کئے ہیں ان میں بچوں کی تعلیم وتربیت اور پرورش کے اصول بھی شامل ہیں جس کا حقیقی پس منظر بچوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ بھی ہے۔

اسوۃ حسنہ چونکہ قرآن مجید کی عملی تصویر ہے لہذا معاشرے کے تمام طبقات کے حقوق کا تحفظ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے بدرجہ اتم ملتا ہے جس میں سب سے اہم ترین پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۃ حسنہ کے مطابق بچے کی تربیت کا آغاز اس کی ولادت سکے بعد نہیں بلکہ قبل از ولادت ہو جاتا ہے اور بعض قرآنی اور فرمودات رسالت کی رو سے تو اس تربیت کے بعض جوانب ایک اچھی بیوی یا شوہر کی تلاش میں اسی حقیقت کا مظہر ہے جیسا کہ بیان کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں سے پیار اور شفقت تا قیامت والدین کے لیے مینارہ نور ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاتخصیص وتفریق ہر بچے سے پیار فرمایا عید کے موقع پر یتیم و بے آسرا بچوں کا اپنے گھر لے جانا اور انہیں عید کی خوشیوں میں شریک کرنا۔

## بچے کا مقام و مرتبہ اور اس کے حقوق:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کامیاب معاملات کی حقیقت سے بخوبی آشنا تھے، آپ کا اسلوب تربیت' علم، تجربہ، کشادہ دلی، صبر اور برداشت پر مشتمل تھا، بچپن کے مرحلے کی اہمیت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے ساتھ ایسا تربیتی اور تعلیمی اسلوب اختیار کیا، جس کے نتیجے میں کامیاب شخصیات، بے نظیر قائدین، اور نابغہ روزگار افراد پیدا ہوئے۔

فطری اعتبار سے بچے ہر وقت اس شخص سے محبت کرتے ہیں، جو ان کے ساتھ محبت و سادگی سے پیش آئے، اور ان کے ساتھ اس طرح رہے گویا کہ وہ خود بھی بچہ ہی ہے۔ بچے ایسے شخص سے نفرت کرتے ہیں جو غصہ والا، ترش رو اور بے صبرا ہو۔ بچے محترم اور سنجیدہ انسان کو پسند کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کی طبیعت سے بخوبی واقف تھے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتے تھے جیسی ان کی پسند ہوتی تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکے ساتھ اپنی سادگی، ان سے مذاق، دل لگی اور ان کی شفقت کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاق اور ان کی شخصیت سنوارنے اور انہیں کامیاب انسان بنانے کی کوشش بھی کرتے تھے۔

ابو ہریرہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ نے سجدہ فرمایا تو حسنؓ اور حسینؓ آپ کے پیٹ مبارک پر چڑھ گئے، جب آپ نے اپنے سر کو اٹھایا تو ان دونوں کو آہستہ سے پیچھے سے پکڑا اور محبت سے اتار دیا،

جب آپ نے نماز ختم فرمائی تو ان دونوں کو اپنی گود میں لے لیا۔(1)

بچہ، واجبات، حقوق، اصول ومبادی اور اخلاق ومعانی کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے، یہ باتیں اسے اس کی زندگی کے کئی سالوں میں قدم قدم پر حاصل ہوتی ہیں، وہ شخص غلطی پر ہے جو بچوں کے ساتھ بڑوں جیسا سلوک کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ بچہ اصول وضوابط کو جانے، لیکن بہت سے لوگوں کو بچوں کے ساتھ اسی طرح کا برا سلوک کرتے ہوئے دیکھا گیا، ایسے لوگوں کا بچوں سے مطالبہ ہے کہ وہ پرسکون، وقار وچین کے ساتھ اور خاموش رہیں، حالانکہ ان باتوں پر بچے عمل نہیں کر سکتے۔

ام خالد جو خالد بن سعید کی بیٹی تھیں' وہ کہتی تھیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے باپ کے ساتھ آئی، میں ایک زرد قمیض پہنی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دیکھ کر فرمایا: واہ واہ کیا کہنا "سنہ سنہ" یہ حبشی زبان کا لفظ ہے ام خالد کہتی ہیں: (میں کم سن بچی تو تھی ہی) میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر مہر نبوّت سے کھیلنے لگی میرے باپ نے مجھ کو جھڑکایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کھیلنے دے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یوں دعا دی: 'یہ کپڑا پرانا کر پھاڑ، پرانا کر پھاڑ' تین بار یہی فرمایا۔ عبد اللہ کہتے ہیں وہ کرتہ تبرک کے طور پر رکھا رہا یہاں تک کہ کالا پڑ گیا۔(2)

یہ ایک عبرت آموز واقعہ ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتا ہے، جسے یہ بھی پتہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بہت محبت فرماتے اور آپ بچوں سے ملنے میں اکتاتے نہیں ہیں بلکہ خوشی محسوس کرتے ہیں، اور باپ کے سامنے بچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جرات کرتی ہے اور آپ کے پشت مبارک سے لٹکتی اور کھیلتی ہے اور آپ ہنستے ہیں اور اسے اپنے ساتھ کھیلنے کے لیے بلاتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوا کہ چھوٹے بچے کو آپ نے گود میں لیا، اور اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، تو آپ نے پانی منگوایا اور اپنے کپڑوں پر چھڑک دیا، دھویا نہیں، آپ کی بچوں کے ساتھ کثرت محبت اور انہیں لینے کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں اور آپ کے حجروں میں چھوٹے بچوں کے پیشاب کرنے کے کثرت سے واقعات ہوئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف لڑکوں کو ہی اپنی گود میں نہیں اٹھایا بلکہ لڑکیوں کو بھی آپ پیار سے گود میں لیتے تھے۔

ابوموسی اشعری ص فرماتے ہیں: "مجھے بیٹا ہوا، میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا، پھر کھجور چبا کر اسے چٹایا اور اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی"۔(3)

یعلی بن مرہؓ کہتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے پر نکلا، تو حسین بن علیؓ

راستے میں کھیل رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان سے جلدی آگے بڑھے، پھر اپنے ہاتھوں کو بڑھایا، تاکہ حسینؓ کو لیں، لیکن حسینؓ ادھر ادھر بھاگنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا پیچھا کرتے اور انہیں ہنساتے، آپ نے اسامہ بن زیدؓ اور حسن بن علیؓ کو لیا اور اپنی گود میں دونوں کو بٹھایا، پھر ان کو گلے سے لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اے اللہ ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ میں ان پر شفقت کرتا ہوں"۔(4)

اور ایک حدیث میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے کاندھوں پر امامہ بنت ابوالعاص تھیں، پھر آپ نے نماز پڑھی، جب رکوع کیا تو امامہؓ کو نیچے اتار دیا، پھر جب رکوع سے اٹھے تو امامہؓ کو اٹھالیا۔(5)

محمود بن ربیعؓ کہتے ہیں: "مجھے ابھی تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کلی یاد ہے جو آپ نے ایک ڈول سے لے کر میرے منہ پر کی تھی اس وقت میں پانچ سال کا تھا(6)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اپنی نماز کو ہلکی کر دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ نماز کو طویل کروں، (لیکن جب) بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، اس کراہت سے کہ بچے کی ماں کو مشقت میں نہ ڈالوں۔"(7)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ لطیفانہ معاملات میں ان کے درمیان اپنے احترام کو باقی رکھتے ہوئے انہیں آسان اور ٹھوس وسائل کے ذریعے افضل ترین مفاہیم کو سمجھا دیا کرتے تھے، آپ بچوں کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آتے تھے، نبوی دور کا ایک بچہ عبداللہ بن عامر نبی کریم کے اس موقف کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: میری والدہ نے مجھے ایک دن بلایا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، وہ کہنے لگی: آو میں تمہیں کچھ دیتی ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری والدہ سے کہا: تم انہیں کیا دو گی؟ فرمانے لگی: میں انہیں کھجور دینا چاہتی ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم انہیں کوئی چیز نہ دیتی تو تم پر ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔(8)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ واقعہ میں جھوٹ بول کر بچوں کے احساسات سے کھیلنے سے خبردار فرمایا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو دیکھتے تو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتے اور ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرماتے تھے۔ عمر بن ابوسلمہؓ کہتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ایک بچہ تھا، اور میرے ہاتھ برتن میں بے جگہ پڑتے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: اے بچے: اللہ کا نام لو اور

اپنے سیدھے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ ۔(9)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق کریمانہ اور پاکیزہ تعلیمات کے ذریعہ بچوں کے اندر بچپن ہی سے رجولت اور بہادری کے مفاہیم پیدا کرنے کی کوشش کی ،آپ مختلف اسلوب میں بچوں کو اعلی معانی ومفاہیم کے تدریجی گھونٹ پلاتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بعض بچوں کو جیسے عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کو اپنی مجلس میں اپنے صحابہ کے ساتھ بٹھاتے تھے تاکہ وہ سیکھیں اور ان میں پختگی آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے احترام اور ان کی قدر کے سلسلے میں اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ کبھی بڑوں کی مجلس میں بچے شامل ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑوں کے مقابلے بچوں کو ترجیح دیتے: سہل بن سعد الساعدیؓ کہتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے طرف ایک لڑکا تھا (ابن عباس) اور بائیں طرف سن رسیدہ لوگ تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے سے پوچھا: میاں! تم اس کی اجازت دیتے ہو کہ پہلے میں یہ پیالہ بوڑھوں کو دوں؟ اس نے کہا: وَاللّٰہِ یَا رَسُولَ اللّٰہِ !لا اُوثِرُ بِنَصِیبِی مِنکَ اَحَدً االلہ کی قسم یارسول اللہ! میں آپ کی طرف سے ملے ہوئے اپنے حصے پر کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا۔آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ اسی کے ہاتھ میں دے دیا۔"(10)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساتھ دو امر کا خیال رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے حق کا خیال رکھا اور اس سے اجازت طلب کی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑوں کے حق کا بھی خیال رکھا اور بچے سے مطالبہ فرمایا کہ وہ بڑوں کے لیے اپنے حق سے بری ہوجائے، جب بچہ اپنے موقف پر ڈٹا رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو نہ ڈانٹا اور نہ اس کے ساتھ سختی فرمائی بلکہ اسے اس کا حق دے دیا۔

## قبل از ولادت بچے کی نفسیات:

اسلام دنیا کا وہ واحد دین ہے جو بچوں کی جانب اس کی پیدائش کے بعد ہی توجہ نہیں دیتا بلکہ اس سے بہت پہلے جب وہ کسی سانچے میں ڈھلے نہیں ہوتے اس وقت اسلام ہر مرد اور عورت کو یہ تاکید کرتا ہے کہ اسے اپنے لیے شریک حیات کے انتخاب میں دین داری کو سرفہرست رکھنا چاہیے اور اس حوالے سے " فاظفر بذات الدین" اور" اذا جاءکم من ترضون دینہ دخلقہ فزوجوہ" (11) مشعل راہ بن جاتے ہیں کہ صالح شریک حیات صالح اولاد کے حصول کا بنیادی سبب ہے۔

یہاں ایک بات اور اہمیت کی حامل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اغتربوا لا تضووا اجنبی لوگوں میں شادی کرو اور اپنی اولاد کو کمزور نہ بناؤ۔

اس کی واضح توجیہہ قرآن مجید نے "نطفۃ امشاج" یعنی مخلوط نطفہ کے ذریعے دی۔ یعنی وہ بچہ جو ایسے اولاد کے یہاں پیدا ہوا ہو جن کا آپس میں کوئی خونی رشتہ نہ ہو وہ ذہنی طور پر نہایت صحت مند، اور جسمانی اعتبار سے مضبوط ہوگا۔

یعنی اسلام میں بچے کی اہمیت قبل از ولادت اس حوالے سے معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ ذہنی اور جسمانی مضبوطی کے ساتھ ساتھ اسلام نے تربیت صالح کو بھی مقدم جانا ہے تو یہ اسلام ہے جو بچے کی ان فطری صفات کو اس طریقے سے بروئے کار لاتا ہے کہ وہ معاشرے میں باعزت اور مفید شہری کی حیثیت سے اپنے فرائض کو انجام دے سکے اور تمام برائیوں سے محفوظ رہے۔

اسلام صحت مند ذہنی نشوونما کا متمنی ہوتا ہے اسی لیے وہ بچے کی پیدائش سے قبل ہی بچے کے مستقبل کا منصوبہ بناتا ہے اور اس کی بنیاد ایک ایسا خاندان ہے جس کی بنیاد رحمت اور مودت پر رکھی گئی ہو کیونکہ تشکیل خاندان میں نکاح ایک ابتدائی عنصر اور مرحلہ ہے

بچہ چونکہ والدین کے باہمی مستحکم تعلقات کا ایک فطری نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ ابویت اور ممتائیت دو ایسے خوبصورت رشتے ہیں جن میں اللہ تعالی رحم دلی اور محبت رکھ دی ہے۔ اور یہ محبت فطری کیفیت میں ہوتی ہے

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (12)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہے اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

بعض مفسرین مذکورہ پیار اور محبت کو بچوں کی جانب اشارہ قرار دیتے ہیں جو والدین کے مابین رفاقت کو زیادہ مضبوط کرتے ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ محبت درحقیقت ایک ایسی روشنی ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے ودیعت کردہ ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور تمام احادیث میں بچوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور ان کی دیکھ بھال کریں نہ کہ والدین کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی نگہداشت و دیکھ بھال کریں

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ

وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ(13)

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اُٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اُس کا دودھ چھوٹنے میں لگے اِسی لیے ہم نے اُس کو نصیحت کی کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔

المختصر اللہ تعالیٰ نے اولاد کے ساتھ محبت کو انسانی فطرت وجبلت کا ایک حصہ بنایا ہے اسی وجہ سے تمام تر ہدایات واحکامات بچوں کو ہی دیے گئے ہیں کہ وہ والدین کے ساتھ نیک اور عمدہ سلوک کریں کہ یہی والدین کی فطری محبت کا بہترین جواب ہوسکتا ہے

## بچوں کے درمیان مساوی حقوق کے نفسیاتی فوائد:

اسلام نے معاشرتی و عائلی زندگی میں انتہائی باریک بینی سے تمام طبقات کے حقوق کا مکمل خیال رکھا ہے اس میں اولاد کے مابین مساوی سلوک کی بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ اسلام نے اس رجحان کی شدت سے نفی کی ہے کہ ایک بچے کو دوسرے بچوں کے مقابلے میں زیادہ پیار کیا جائے یا جنس بیٹوں کو بیٹیوں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی جائے۔ اسلام لڑکے اور لڑکیوں میں کوئی فرق نہیں رکھتا دونوں کا درجہ مساوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ (14)

جواب میں ان کے رب نے فرمایا میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔

اس اصول سے انحراف گویا مساوات، اور انصاف سے انحراف ہے کیونکہ اولاد کے مابین تفریق کے یہ رجحانات برقرار رہتے ہیں تو اس کا نتیجا لازمی طور پر یہ نکلتا ہے کہ نفسیاتی، افسردگی اور علیحدگی جیسے مسائل پیدا ہوں گے اور یہ تمام باتیں اعصابی تناؤ کا سبب بن جائیں گی۔ اور تفریق پر مبنی یہ رویے اولاد کی ذہنی تربیت میں شدید خلا پیدا کرتا ہے جو مستقبل میں جرائم کے لیے اس کی راہ ہموار کرتے ہیں یا کم از کم برائیوں کی طرف بڑھنے سے روکنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اور معاشرے میں موجود تفریق کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال اور عمل کے ذریعے نفی کی بلکہ بیٹیوں کی توہین پر مبنی رویے کو ختم کرنے کے لیے آپ نے یہ ارشاد فرمایا: خیر اولادکم البنا۔

سب سے بہتر لڑکیاں ہیں۔ اور آپ کا اپنی بیٹیوں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ ام کلثوم ورقیہ رضی اللہ عنہما اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حسن سلوک اور محبت پر ایک سے زائد احادیث شاہد ہیں۔

والدین کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی اولاد ان کے لئے برابر ہے۔ اگر وہ اولاد کے معاملے میں عدل سے کام نہیں لیں گے تو اللہ تعالی کے ہاں ان کی باز پرس ہوگی۔ اولاد میں عدل کا طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی پہلو سے کمزور بچے کی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔ انسان فطری طور پر اچھے بچوں کو زیادہ محبت دیتا ہے۔ جب وہ شعوری طور پر کمزور بچے کی طرف زیادہ توجہ دے گا تو اس کے نتیجے میں اس کی محبت اور توجہ خود بخود بیلنس ہو جائے گی۔

جسمانی اعتبار سے معذور بچے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ والدین کو ان پر خاص توجہ دینی چاہیے۔ ان کے لئے خصوصی کھیلوں اور خصوصی تعلیم کا انتظام کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ اولاد کے بالغ ہونے کے بعد والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی تعلیم و تربیت، شادیوں اور کاروبار پر رقم اس انداز میں خرچ کریں کہ اولاد کو یہ احساس نہ ہو کہ والد نے مجھے کم اور بھائی یا بہن کو زیادہ دے دیا۔

## بچوں کی تربیت کے مراحل:

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ اسلام میں تربیت کے عمل کا آغاز بچے کی پیدائش کے بعد نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے نکاح کے لیے ایک مرد اور عورت کا ایک دوسرے کے لیے انتخاب صالح کا پس منظر اسی تربیت کا حامل ہے لہذا تربیت اولاد میں سب سے اہم ترین کردار ماں کا ہوتا ہے کہ بچہ دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے جس لمس سے مانوس ہوتا ہے وہ ماں کا ہوتا ہے جس میں ممتائیت سے بھر پور شفقت موجود ہوتی ہے جسے کسی زبان بیان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تربیت کے اس مرحلے میں ماں دو مراحل میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے یعنی مدت حمل اور مدت رضاعت۔

عورت کے لئے بچے کی پیدائش سے پہلے کا زمانہ ایک سخت تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے۔ وہ مختلف ذہنی، نفسیاتی اور جسمانی تبدیلیوں سے گزرتی ہے۔ بچے کا تعلق ابتدائی دنوں سے ہی ماں کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ وہ ننھا سا خلیہ (Cell) محض ایک جرثومہ نہیں، بلکہ ایک مکمل شخصیت کا نقطہ آغاز ہوتا ہے، اور وہ اپنی ماں سے خاص نسبت رکھتا ہے۔ تخلیق کا عمل اللہ کا ایک کھلا کرشمہ ہے۔ ایک معمولی خلیے کا چھ سے دس پونڈ کے انسان میں تبدیل ہو جانا بلاشبہ ایک حیرت انگیز عمل ہے۔

تخلیق کے عمل سے گزرنے والی خاتون پر اللہ تعالی کی شکر گزاری لازم آتی ہے کہ خالق کائنات نے اشرف المخلوقات کی تخلیق کے لئے اسے منتخب کیا ہے۔ حاملہ خاتون کو حسن نیت، اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دینا چاہیے۔ ایک سچی مسلمان عورت یہ زمانہ مصیبت سمجھ کر نہ گزارے، بلکہ ان

تکالیف کو اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔ اس زمانے میں وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نظر رحمت میں ہوتی ہے۔ اس شفیق ذات نے اس کے روزمرہ فرائض کو اجر کے حساب سے نفع بخش ہونے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایک حاملہ عورت کی نماز عام عورت کی نماز سے افضل ہے۔ حاملہ عورت اگر رب کریم کی فرماں بردار ہے اور اس کی لو اپنے رب سے لگی ہوئی ہے تو سارے زمانہ حمل میں اس کو رات اور دن میں بے پناہ ثواب ملتا ہے۔

باپ کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو پاکیزہ اور صالح کردار پر اٹھانے کے لئے گھر میں ایسی کمائی لائے جو حلال اور طیب ہو۔ اپنی اولاد کو اگر حرام کمائی سے سینچا گیا تو اس کے کردار و اعمال میں شرافت کی سی تابندگی کا پایا جانا ناممکن ہے۔

ہمہ وقت اللہ کا ذکر، نماز کی پابندی، باوضو رہنا، پاکیزہ گفتار ہونا، جسمانی، روحانی اور ذہنی سکون کا باعث ہوتا ہے۔ ہر وہ غذا جو حاملہ عورت کھاتی ہے، اس میں اس ننھی سی جان کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اس زمانے میں اگر جسمانی غذا معمول سے زیادہ درکار ہوتی ہے تو روحانی غذا کا تناسب بھی تو پہلے سے زیادہ چاہیے۔

ماہرین نفسیات سفارش کرتے ہیں کہ والدین اپنے آئندہ بچے کو جیسا کچھ بنانا چاہتے ہیں، ماں کو اسی کی طرف یکسو رہنا چاہیے۔ جن لائن پر لگانا چاہتے ہیں، جس مضمون یا فن کا ماہر بنانا چاہتے ہیں، ماں کو بھرپور اسی کی توجہ دینی چاہیے اور ویسے ہی ماحول میں رہنا چاہیے۔

ایک مسلمان ماں اپنے بچے کو "مثالی مسلمان" بنانا چاہتی ہے تو اسے ان تمام امور کا خیال رکھنا ہوگا۔ آج بھی ایسی مثال مل سکتی ہے کہ جب ماں نے مدت حمل میں ہر وقت قرآن پاک کی تلاوت سنی، خود بھی ورد زبان بنایا اور ایک ہی قاری کی زبان، لب ولہجہ میں کثرت سے قرآن سنا تو اس کا اثر یہ ہوا کہ نومولود قرآن کی تلاوت کو حیرت انگیز دلچسپی سے سنتا اور جب قرآن سیکھنے کی عمر ہوئی تو حیرت انگیز طور پر بہت جلد سیکھ گیا۔

ایک ذمہ دار اور حساس مسلمان ماں وہ ہے، جو زمانہ حمل میں متقی خواتین کی صحبت سے فیض یاب ہو، قرآن و حدیث کا بکثرت مطالعہ کرے، قرآن پر غور و فکر کرے اور درس و تدریس میں وقت گزارے۔ اپنی دیگر ذمہ داریوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انجام دے۔ یہ آزمائی ہوئی بات ہے کہ مستقل بنیادوں پر منعقدہ قرآنی کلاسوں میں شامل ہونے والی خواتین نے اس بچے کی عادات میں نمایاں تبدیلی محسوس کی، جو قرآنی کلاسوں میں شریک ہونے کے زمانے میں رحم میں پرورش پا رہے تھے۔

ماں بننے والی خاتون کو شعوری کوشش کے ساتھ صبر و قناعت اور قوت برداشت کا اجاگر کرنا چاہیے۔ وہ بنیادی اخلاقی عیب جو انسانی زندگی کو بدصورت بناتے ہیں اور انسانیت کی توہین ہیں مثلاً بغض، کینہ، حسد، تکبر اور جھوٹ سے بچنے کی کوشش کرے۔ بے جا، لایعنی اور غیر ضروری بحث سے گریز کرے۔ ذکر و تسبیح کو اپنا معمول بنائے۔ یقیناً اس کی عبادت، ذکر، روزہ و دیگر حقوق و فرائض کی ادائیگی میں ایک معصوم روح بھی شریک ہوتی ہے اور وہ اللہ کے حضور اپنی ماں کے ہر نیک عمل کی گواہ بھی ہوگی۔

جسمانی غذا کے ساتھ روحانی غذا بھی اعلیٰ اور زیادہ مقدار میں ہونی چاہیے۔ روشن کردار، اعلیٰ ذہنی و فکری استعداد کی مالک ماں ہی اپنے بچے کے روشن مستقبل کی فکر کر سکتی ہے۔ کم ظرف، جھگڑالو، حاسد، احساس برتری یا کمتری کی ماری، ناشکری اور بے صبری عورت، اعلیٰ کردار کا سپوت قوم و ملت کو کیسے دے سکتی ہے۔

جسمانی صحت و صفائی کے ساتھ ساتھ ماں کو روحانی صحت و صفائی کا خیال رکھنا لازمی امر ہے۔ باوضو رہنا، ہر کھانے سے پہلے وضو کر لینا، ہر لقمے کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا اور اپنے ہونے والے بچے کا دھیان بھی اس غذا کے ساتھ رکھنا کہ وہ اس غذا میں حصہ دار ہے۔ اسی طرح عورت اپنے ہر چھوٹے، بڑے کام میں زیر تخلیق معصوم ہستی کو شامل رکھے تو اس کی اپنی روحانی تربیت میں بے حد اضافہ ہوگا۔ گویا ماں بننے کے مراحل میں عورت خود اپنے لئے ایک ایسا ادارہ بن جاتی ہے، جس میں ہر لمحہ اس کو ایک بات سیکھنے اور سکھانے میں مدد ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت میں رہتی ہے۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والی، روشن ضمیر، اللہ پر توکل کرنے والی خاتون روحانی طور پر مضبوط اور پر عزم ہوگی۔ اس زمانے میں عورت کے گھر کا ماحول اور خصوصا شوہر کا رویہ اور انداز فکر بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس غیر معمولی صورت حال میں شوہر کی بھی ذمہ داریاں غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہیں۔ اس لئے خاتون کی ذہنی، جسمانی، روحانی طمانیت کے لئے شوہر کو بھرپور طریقہ سے اپنا کردار انجام دینا چاہیے۔ یہ شوہر کا فرض عین ہے جس کی اس سے باز پرس ہوگی۔ دیگر رشتہ دار اور شوہر ایک نئی ہستی کو دنیا میں لانے کے لئے عورت کو جتنی آسانیاں، آرام، ذہنی و جسمانی سکون مہیا کریں گے تو وہ بھی لازماً اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پائیں گے۔ دیکھا گیا ہے کہ تخلیق کے مراحل میں پورے نو ماہ جس خاتون کے شوہر نے بیوی کے آرام و سکون کے لئے خاطر خواہ انتظامات کئے، اپنی نفسانی اور عمومی خواہشوں کی تکمیل کے لئے قربانی اور ایثار کا راستہ اختیار کیا، ان کے بچے صحت مند، خوبصورت، ذہین اور پر اعتماد نکلے۔

پیدائش کے فوراً بعد ہر جاندار مخلوق کا نومولود اپنی ماں کی طرف کشش رکھتا ہے، چاہے اس کا انڈوں سے ظہور ہو یا رحم مادر سے۔ دودھ پلانے والے جانداروں میں مشاہدات کرنے والے اس نتیجے

پر پہنچے ہیں کہ بچہ اپنی ماں کو اور ماں اپنے بچے کو، ایک دوسرے کی بو سے پہچانتے ہیں۔

قدرت نے نوزائیدہ شیر خوار بچے کی ساری کائنات ماں کی گود اور ماں کے دودھ سے وابستہ کر دی ہے۔ بچے کو شروع سے ہی ماں کا قرب نصیب ہونا چاہیے۔ آج کل بچے کو ہسپتالوں میں ماں سے دور نرسری میں رکھا جاتا ہے جس سے ماں اور بچہ ایک دوسرے کی مخصوص بو اور تعلق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالی نے ماں کو دو سال تک دودھ پلانے کی ہدایت کی ہے۔ یہی دو سال کا عرصہ بچے میں تعلیم حاصل کرنے کی قوت اور ذہنی دباؤ برداشت کرنے کی صلاحیت کو بڑھا سکتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے ماں اپنا دودھ نہ پلا رہی ہو تو فیڈر سے دودھ پلانے کے لئے بھی ماں اپنے بچے کو گود میں لے کر سینے سے لگا کر پلائے۔ اللہ تعالی نے دودھ پلانے والی ماں کو خصوصی اجر سے نوازا ہے۔

ہمارے لئے قابل تقلید بزرگوں کی مائیں اپنے بچوں کو باوضو ہو کر دودھ پلاتی تھیں۔ ساتھ ساتھ کانوں میں کوئی بہترین پیغام اور آیات الہی، لوری کی صورت میں سناتی تھیں۔ بعض لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ نوزائیدہ بچے کو چالیس دن کے اندر اندر قرآن پاک کی تلاوت سنا دی جائے تو اس کے بہت سے مثبت اثرات سامنے آتے ہیں۔ بچہ بولنے کی کوشش کرنے لگے تو سب سے پہلے "اللہ" کا نام سکھایا جائے۔ اذان کی آواز پر متوجہ کیا جائے۔ کلمہ طیبہ، بسم اللہ، الحمد للہ، السلام علیکم جیسے بابرکت کلمات سے بچے کی زبان کو تر کیا جائے۔

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ: "صرف موروثی اثرات ہی مزاج بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔" مگر اب سائنس دان یہ تحقیق کر رہے ہیں کہ "بچپن کا ماحول بھی بچہ کے مزاج کو ڈھالنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔" اور عصبیاتی تحقیقات (Neurological Studies) کی روشنی میں ثابت کیا ہوا ہے کہ: "نوزائیدہ بچے کے دماغ کے خلیات میں سائنا پسز (Synapses) شروع کے چند ماہ میں بیس گنا بڑھ جاتا ہے اور دو سال کی عمر کے ایک بچے میں ایک بڑے آدمی کے مقابلے میں یہ سائنا پسز دگنے ہو جاتے ہیں۔

بچے کا والدین سے تعلق، اس کے دماغ کے ان حصوں کی بناوٹ پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر شروع کے دو تین سال بچے کو والدین، خصوصاً ماں کی بھرپور توجہ، شفقت نہ ملے اور خصوصی باہمی تعلق پیدا نہ ہو تو ساری زندگی غیر معمولی جارحانہ پن، منفی انداز فکر، ذہنی پراگندگی پیدا ہو سکتی ہے۔ ماں اور بچے کے درمیان ہر عمر میں قربت قائم رہنی چاہیے۔

بچہ چند دن کا ہو، چند سال کا یا جوان، حتی کہ جوانی کی حد سے نکل جانے والے "بچے" بھی ماؤں کی گود میں سر رکھ کر سکون محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالی نے ماں کی قربت میں ایک انمول کشش رکھ

دی ہے، جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ جو مائیں اپنی سستی، کوتاہی یا کسی مجبوری کی بنا پر ہی سہی، اپنے بچوں کے ساتھ ایسا تعلق پیدا نہیں کرسکتیں، ان کے بچے ساری عمر ماں کی محبت میں کمی اور تشنگی کو محسوس کرتے رہتے ہیں۔ مثبت اور خوشگوار مشاہدات، جذبات و احساسات کا حامل بچہ اپنے لاشعور سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس میں قوت اعتماد، قوت فیصلہ اور سمجھ بوجھ زیادہ پائی جاتی ہے۔

دماغ کے ماڈل کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ دماغ کے پہلے حصے (Primitive) شروع کے تین سال کی عمر میں مکمل ہو جاتے ہیں۔ نو سے گیارہ سال کی عمر میں دماغ میں تبدیلی آتی ہے۔ دماغ کوئی پتھر کا ٹکڑا نہیں ہے، بلکہ اس میں مستقل تبدیلی آتی رہتی ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت، ماحول، جذبات و احساسات، تجربات و مشاہدات اس کی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ دماغ کے پہلے سے بہتر مطالبات ہوتے ہیں۔ گویا انسانی مشینری ہمہ وقت اور بھرپور توجہ کی متقاضی ہے۔ یہ کوئی جامد چیز نہیں ہے کہ بس ایک لگے بندھے طریقے سے چلتی رہے گی۔

دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد بچے کو اچھا انسان اور بہترین مسلمان بننے کے لئے، بہترین ماحول چاہیے۔ شخصیت کی صحت مندانہ نشوونما کے لئے ایک صحت مند تصور ذات اسے والدین اور اہل خانہ ہی فراہم کرسکتے ہیں۔ اگر والدین بچے کی عزت نفس اور اس کی شخصیت کی نفی کا رویہ اختیار کریں گے، تو اس کے ذہن میں یہی نقوش ثبت ہو جائیں گے اور وہ کبھی اپنے والدین یا اہل خانہ کے بارے میں مثبت انداز فکر نہیں اپنا سکے گا، الا یہ کہ اس کی ذہنی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کے بارے میں اس منفی رویہ کو خود بدل لیا جائے۔

بہرحال جو اثرات ایک مرتبہ قائم ہو جائیں وہ ختم تو نہیں ہوتے، البتہ بعد کے حالات اس میں تبدیلی ضرور لا سکتے ہیں۔ اس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ ایک پانی کا چشمہ اپنے فطری بہاؤ کے ساتھ فطری راستے پر بہہ رہا ہو۔ اگر اس راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کر دی جائے تو پانی فطری راستے کی بجائے مختلف اطراف میں بہنا شروع کر دے گا۔

بچے کے ذہن میں مثبت طرز فکر پہنچاتے رہنا چاہیے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹا سا بچہ شاید ہماری بات نہیں سمجھ رہا مگر وہ اس کے ذہن میں ریکارڈ ہوتی جاتی ہے اور جب، جہاں جس طرح وہ بات کارآمد ہو، ذہن وہاں منتقل کر دیتا ہے۔

بعد از ولادت بچے کے لیے ضروری ہے کہ اسے دنیا میں آمد کے بعد تقریباً وہی غذا ملے جسے وہ اپنی ماں کے رحم میں اس کے خون سے حاصل کرتا رہا ہے اور یہ کائناتی سچائی ہے کہ یہی غذا ماں کے دودھ میں منتقل ہو جاتی ہے جس میں تمام اہم اور ضروری اجزا شامل ہوتے ہیں جن پر اس کی نشوونما کا

انحصار ہے۔ یہاں یہ بات سب سے زیادہ قابل ذکر اور اہم ہے کہ بچے کی زندگی کے پہلے تین دنوں کے دوران ماں کے سینے میں زردی مائل رقیق مائع حالت میں چھپا ہوتا ہے یہی رقیق غذا بچے کے ابتدائی دنوں میں اس کے لیے کافی ہوتا ہے اور یہی رقیق غذا بچے کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ غذا حاصل کرنے کے عمل کو شروع کردے اور یہی چیز اس کی قوت ہاضمہ کو بھی بناتی ہے اور اسی رقیق چیز سے اس کے جسم میں قدرتی قوت مدافعت پیدا ہوتی ہے اور اگر مناسب انداز میں بچے کو یہ ابتدائی خوراک مل جائے تو بچہ بیماریوں میں اتنی جلدی مبتلا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے دودھ پلانے کے عمل کی اہمیت پر خاصا زور دیا ہے۔ اور یہ وہ عمل ہے جس سے ماں اور بچے کے مابین حد درجہ ذہنی و جذباتی وابستگی پیدا ہوجاتی ہے جو بچے میں قوت اعتماد پیدا کرتی ہے۔ جب یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ ماں کا دودھ بچے کی صحت، عادات و اطوار اور مستقبل کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے تو اس حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان بہت بڑی سچائی کی طرف اشارہ کرتا ہے:

توقوا اولادکم من لبن البغی والمجنونة فان اللبن یعدی(16)

اپنی اولاد کو زانیہ، غیر صالحہ عورت اور پاگل عورت کے دودھ پلانے سے بچو کیونکہ
اس کے دودھ سے بچے میں بری عادات پیدا ہوجاتی ہیں

ماں کا دودھ پینے والے بچوں نے ذہنی دباؤ کے ٹیسٹ میں بھی بہتر کارکردگی دکھائی۔ تحقیق کے مطابق بچوں کو دودھ پلانے کا عمل صرف بچوں کے لیے ہی نہیں ماں کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔ اس سے ماں کو چھاتی کا سرطان ہونے کے امکانات کم ہوتے ہیں، ہر روز پانچ سو کیلوریز کم ہونے سے آسانی سے وزن کم ہوتا ہے اور دودھ کا خرچ بچتا ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ماں کا دودھ ماں اور بچے کے درمیان بہتر تعلق کو فروغ دیتا ہے۔

## سن شعور کی نفسیات:

بچہ جب ذرا سمجھ دار ہوجاتا ہے تو وہ ایک چھوٹا سا سائنس دان ہوتا ہے۔ مدت رضاعت کے بعد اس میں تجسس کا مادہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے وہ ہرنئی شے تک پہنچنے اور پرکھنے کی جستجو میں لگا رہتا ہے۔ اپنی ذہنی استعداد کے مطابق بہت کچھ خود ہی سیکھ اور سمجھ لیتا ہے۔ یہ وہ ذہنی استعداد ہے جو رحم مادر سے لے کر باہر کا ماحول اسے فراہم کرتا ہے۔ اس کا لاشعور جو تربیت پا چکا ہوتا ہے وہ شعوری طور پر اس کا اظہار کرنا چاہتا ہے، تاکہ اگلے مرحلے میں وہ مزید اپنے ذہن کی نشوونما کر سکے۔

بچے کی روحانی غذا شروع دن سے اسی طرح بڑھانی چاہیے، جیسے کہ جسمانی غذا بتدریج بڑھائی

جاتی ہے۔ اگر جسمانی غذا شروع دن سے ناقص ہو گی، کم ہو گی، بروقت نہ ملے گی تو بچہ جسمانی طور پر کمزور ہوگا۔ مختلف بیماریوں کا شکار ہو جائے گا اور وہ معذور بھی ہوسکتا ہے، اگرچہ وہ صحت مند پیدا ہوا ہو۔

بالکل اسی طرح شروع دن سے روحانی غذا بروقت نہ ملے گی، نامکمل اور ناقص ہو گی تو بچہ روحانی طور پر کمزور، بیمار اور شاید معذور ہوگا۔ جس طرح حاملہ عورت کو کچھ بیماریوں سے بچاؤ کے لئے حفاظتی ٹیکے لگانا ضروری سمجھا جاتا ہے، اسی طرح روحانی بیماریوں سے بچنے کے لئے بھی پیدائش سے پہلے حفاظتی اقدامات کرنے ہوں گے اور پیدائش کے بعد بھی ان کا علاج کرنا ہوگا۔ اور وہ نیت کی درستگی، فرائض کی ادائیگی میں پابندی، قلب ونگاہ کو شعور مسلمان بنانے کے علاوہ اور کیا ہے؟

جس طرح اپنے بچے کی جسمانی صحت کے بارے میں لاپرواہی برا فعل ہے، اسی طرح بچے کی روحانی زندگی سے لاتعلقی بھی نہایت غلط اقدام ہے۔ جسمانی غذا اور روحانی غذا کے ساتھ ساتھ جسمانی و روحانی لباس کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ جسمانی لباس بچے کو عمر، موسم اور حالات کے لحاظ سے پہنایا جاتا ہے۔ چند دن کے بچے کو چند سال کے بچے کی خوراک اور چند سال کے بچے کو ایک جوان بچے کی خوراک دینا مناسب نہیں۔ جس طرح چند دن کے بچے کا لباس چند سال کے بچے کو اور کسی جوان کو چند سال کے بچے کا لباس زیب نہیں دیتا اور نہ عقل اس کو قبول کرتی ہے، اسی طرح روحانی لباس یعنی تقوی کا لباس بھی عمر، موسم، حالات اور ذہنی استعداد کے مطابق ساتھ ساتھ تیار کرتے رہنا ضروری ہے، بلکہ تقوی کا لباس وخوراک اس سے بھی زیادہ حکمت عملی اور احتیاط کا متقاضی ہے۔

بچہ بہت جلد اپنے والدین کی خوشی و ناراضی کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ ماں بھی بچے کو سمجھانے کی خاطر اسے باپ کی ناراضی کا احساس دلاتی ہے، یا اس کے خوش ہونے کی وجہ بتاتی ہے کہ کس کام سے ابو ناراض اور کس سے خوش ہوں گے۔ اسی طرح شروع ہی سے بچے کے دل اور دماغ میں اللہ تعالی کی محبت اور خوشی کا احساس دلانا چاہیے کہ اللہ تعالی کس قدر مہربان ہے اور ہر چیز وہی عطا کرنے والا ہے۔

بچے کو احساس دلایا جائے کہ وہ محبت کرنے والی ہستی باری تعالی ناراض ہو جائے تو پھر سب ناراض ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالی ہی سب کے دلوں میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ بچے سے محبت کی جائے، پیار کیا جائے، اس کو اچھی اچھی چیزیں لاکر دی جائیں۔ بچے کے دل میں یہ یقین بٹھا دیا جائے کہ اگر اللہ تعالی کوئی چیز دینا چاہے تو وہ مل سکتی ہے۔ اس لئے اللہ کو ہمیشہ راضی اور خوش رکھنے کے لئے ہر اچھا کام کرنے کا جذبہ بچے کے ذہن، قلب اور سانسوں تک میں اتار دیا جائے۔ اللہ تعالی کی محبت کو خوشبو کی طرح بچے کے دل میں بٹھا دیا جائے۔ اللہ تعالی کی ذات کا تعارف: مہربان، شفیق، پیار کرنے والا، ہر

چیز سے آگاہ اور وحدہ لاشریک کے طور پر کرایا جائے۔

بچے کی شخصیت کا خاکہ بن جانے کے لئے پہلے پانچ سال اہم ہیں۔ باقی عمر اس خاکے میں رنگ بھرتے رہنا ہے۔ کسی بھی عمارت میں بنیادوں کی جو اہمیت ہوتی ہے، عمر کے ابتدائی پانچ سال کی حیثیت بھی ویسی ہی ہے۔ سفید اور کورے کپڑے پر جو رنگ چڑھ جائے وہ ساری عمر باقی کے رنگوں میں اپنی جھلک دکھاتا رہے گا۔ خارجی ماحول اور عارضی حالات بچے کو کسی وقت بدل بھی دیں، اس تبدیلی میں یہ ابتدائی عمر کے احساسات ضرور اپنا حصہ محفوظ رکھیں گے۔ یہ عمر انسان کے عیوب ومحاسن کی نشان دہی کر دیتی ہے۔ اس کے بعد تعلیم وتربیت، ماحول اور حالات یا تو عیوب کو اجاگر کرتے چلے جاتے ہیں یا محاسن کو، اور اسی کے مطابق دماغی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے۔

مسلمان ماؤں کے لئے بچے ہی ان کے امتحانی پرچے ہیں۔ جس کے جتنے بچے ہیں اس کے اتنے ہی پرچے ہیں اور انہی پرچوں کے نتیجے پر ان کی دنیا وآخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ ان پرچوں کا نتیجہ بھی خود اللہ تعالی نے تیار کرنا ہے۔ کامیاب ہونے پر انعام سے نوازنا ہے اور انعام بھی کیا ہے؟ جنت جیسی عظیم نعمت اور اپنی رضا کی بشارت اور رب سے ملاقات کی نوید۔

اسکول بھیجنے سے پہلے بچے میں اپنے مسلمان ہونے پر فخر کا جذبہ ضرور پیدا کر دینا چاہیے۔ اسکول کا ماحول گھر کے اور مسلمان والدین کے ذہن سے مطابقت رکھتا ہو تو بہت خوش نصیبی ہے ورنہ والدین کو بہت سمجھ بوجھ اور ذمہ داری کا ثبوت دینا ہوگا۔ دین داری کو احساس کمتری کا نشان نہ بنایا جائے۔ دین اسلام کے بارے میں کسی معذرت خواہانہ طرز عمل سے اسے بچایا جائے۔ بچے کے دل میں یہ جرأت پیدا کی جائے کہ وہ پورے یقین کے ساتھ جانے اور اظہار کرے کہ اس کا لباس اسلامی ہے اور یہی سب سے بہتر ہے۔ اس کا طریقہ سب سے اچھا ہے۔ والدین کے خود اپنے ایمان میں پختگی ہوگی تو وہ اپنے بچے کو بھی یہ چیز بہتر طریقہ سے منتقل کر سکیں گے۔ بچے کو اتنا طاقتور ہونا چاہیے کہ وہ دوسروں کو دلیل اور شائستگی کے ساتھ بدل دینے کا اور خود کو بہتر راستے پر گامزن رکھنے کا احساس زندہ رکھ سکے۔

مسلمان ہونے پر احساس تشکر ومسرت پیدا کیا جائے۔ دوسرے مسلمان بچوں کو اپنے اوپر استہزاء کا موقع نہ دیا جائے۔ بچے کو یہ یقین دلایا جائے کہ جو آپ کا لباس ہے، جو آپ کا طریقہ ہے وہی اللہ تعالی نے بتایا ہے۔ اللہ تعالی سب سے اچھے ہیں تو ان کا بتایا ہوا طریقہ بھی سب سے اچھا ہے۔

بچے کے دل میں شیطان سے نفرت بٹھائی جائے۔ ساری گندی باتوں کا سکھانے والا شیطان ہے۔ وہ ہی اصل دشمن ہے۔ غصہ، نفرت، عداوت کے تمام احساسات اسی دشمن اور اس کا کہنا ماننے والوں کے خلاف ہوں۔

والدین کا اپنا طرزِ عمل بچوں کے لئے سب سے بڑا استاد ہے۔ بچے خاموشی سے اس طرزِ عمل کو دیکھتے اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اپنے بچوں کو دوستوں کے ساتھ گفتگو کرتے، یا آپس میں کھیلتے اور پلاننگ پر غور کرتے ہوئے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے والدین، رشتہ داروں اور استادوں سے حقیقت میں کیا سیکھ رہے ہیں اور "کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا" کی حیثیت بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔

جس بچے کی تربیت کے لئے دعا اور دوا کا اہتمام نکاح کے رشتے میں جڑنے کے ساتھ ہی شروع ہوگیا تھا، لازماً اللہ تعالیٰ ایسے ماں باپ کے لئے آسانیاں فراہم کردے گا۔ اللہ تعالیٰ سے محبت اور شکر گزاری کے جذبات پیدا کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ جو بچہ اپنے رب کا شکر گزار ہو کر آسودگی کی دولت پالیتا ہے، اسی کے والدین کامیاب ہیں۔ بچے کے ذہن میں اس حقیقت کا حصہ بنایا جائے کہ جو نعمتیں، خوشیاں ملی ہیں، اسے ان کا شکریہ ادا کرنا ہے اور پھر مزید چیزیں بھی تو مانگنی ہیں۔ بچے کو روزمرہ کی ننھی منی آرزوئیں اپنے رب کے سامنے پیش کرنے کا سلیقہ سکھایا جائے۔ ہر مشکل کام میں اسے اللہ سے مدد مانگنے کا، اللہ سے قربت کا احساس دلایا جائے۔

مثال کے طور پر نماز کی پابندی کروانے کے سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ اسے ابتدا میں یعنی تین سال کی عمر ہی سے ضرور اپنی نماز ادا کرنے کے دوران اپنے ساتھ رکھا جائے۔ دن میں پانچ مرتبہ نماز کی ادائیگی اس کی آنکھوں کے سامنے اور شعور کے اندر، رچ بس جائے۔ اسی عمر میں نماز کے کلمات یاد کروانے شروع کردیے جائیں۔ جتنے بھی کلمات ترجمے کے ساتھ یاد ہو جائیں، انہی کے ساتھ نماز کی ادائیگی شروع کروائی جائے۔ لڑکے تو مسجد میں جا کر رکوع و سجود کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ لڑکیوں کو بھی گھر میں اس کی مکمل پہچان کروائی جائے۔ شروع میں بچے کو ایک نماز اور وہ بھی صرف فرض کی عادت ڈالی جائے اور یہ فجر کی نماز ہے۔ بچہ چاہے جس وقت بھی سو کر اٹھے، اسے معلوم ہو جائے کہ اٹھنے کے بعد پہلا کام نماز کا ہوتا ہے۔ پہلے وضو اور نماز پھر ناشتہ۔ صبح اپنے رب کے حضور حاضری کا تصور اس کے لازمی معمولات کا حصہ بن جائے۔ پھر پوری نماز فجر کی فرض و سنت کے ساتھ پابندی کروائی جائے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ : وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (۱۷)

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (18)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے۔

دونوں آیات اولاد کی بقا اور اس کی مناسب تربیت پر دلالت کرتی ہیں سچی بات تو یہ ہے کہ بچے کی بقا اور تحفظ کا اسلامی تصور بذات خود ایک اختیار ہے جو امت اسلامیہ کو ودیعت کیا گیا ہے خواہ اس کی نوعیت جسمانی ہو یا روحانی یا ذہنی۔ اسلامی نقطہ نظر سے صحت مند جسم نہ صرف مناسب ذہنی کارکردگی کا باعث ہوتے ہیں بلکہ ایسا بچہ معاشرے کے مسائل کے حل میں مدومعاون ثابت ہوتا ہے لہذا اسلام نے انسان کی جان کے تحفظ کے لیے باقاعدہ قوانین وضع کیے اور ان کی پابندی کو لازم قرار کر دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایمان کے بعد جو سب سے بڑی نعمت انسان کو عطا کی گئی وہ صحت وتندرستی ہے اس لیے کہ اس کے بغیر وہ اپنا کوئی بھی کام مکمل طور پر سرانجام نہیں دے سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

إن أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة أن يقال له :
ألم أصح لك جسمك.....(19)

قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے یہ پوچھا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہارے جسم کو صحت وتندرستی عطا نہیں کی تھی

یعنی جتنی بھی نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان میں سے سے پہلے صحت وتندرستی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اور ایک حدیث میں تو اولاد کی صحیح نگہداشت نہ کرنے والے کو گناہ گار قرار دیا گیا اسے ضائع کرنے کے مترادف قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: کفی بالمرء اثما ان یضیع من یعول (20)

اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے کہ اہل وعیال کو نظر انداز کیا جائے:

اولاد اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے تو اس نعمت کے بارے میں اس سے پوچھا بھی جائے گا اور مذکورہ بالا آیت جس میں اپنے گھر والوں کو جھنم کی آگ سے بچانے کا حکم دیا ہے وہ درحقیقت وہ تحفظ ہے جو والدین کو روز قیامت حاصل ہوگا اور لازمی بات ہے یہ اس امر کا نتیجہ ہوگا کہ اس نے اپنی اولاد کی تربیت میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہوگی۔ لہذا دنیاوی زندگی میں تحفظ دینے سے مراد بیماریوں اور وبائی امراض سے بچاؤ بھی ہے، غفلت اور لاپرواہی برتنے کی صورت میں یہ تمام باتیں انسان کی صحت پر اثر انداز ہوتی ہیں اس اعتبار سے علاج کو مشروع قرار دیا گیا جیسا کہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ: "ما أنزل الله داء إلا أنزل له شفاء" (21) اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی بیماری ایسی پیدا نہیں

کی جس کی دوا نہ پیدا کی ہو

اسلامی شریعت نے والدین کو اپنے بچوں کی بقا اور نشوونما کا اس بنیاد پر ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ یہ ایک عطا کردہ نعمت ہے لہذا ان کی پرورش ضروری ہے اور اس حوالے سے وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بچہ اپنی ابتدائی عمر میں ان حقیقی خطرات سے جو اسے لاحق ہو سکتے ہیں ان سے بالکل ہی نابلد ہوتا ہے اس کے علاوہ موسم سے بچاؤ اور خوراک کی فراہمی وغیرہ سب ایک قابل مؤاخذہ کیفیت میں شامل ہیں۔اسی مسؤولیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان کیا ہے:

> تم سب اپنے اہل خانہ کے کفیل اور ذمہ دار ہو باپ اپنے خاندان کی کفالت کرتا ہے اور اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے عورت اپنے شوہر کے مال اور اولاد کی نگراں ہے اور اپنے فرائض کی ذمہ دار ہے۔(22)

## بچے کی پیدائش میں وقفہ کے فوائد:

قرآن مجید میں یہ مذکور ہے کہ بچے کے حمل میں رہنے سے لے کر اس کے دودھ چھڑانے تک کا عرصہ تیس ماہ پر محیط ہے: **حملہ و فصالہ ثلاثون شھرا** (23) اور حمل میں رہنا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے ہیں،علاوہ ازیں اسلام اس امر کی تائید بھی کرتا ہے کہ مدت رضاعت پورے دو سال تک ہو خصوصا ان لوگوں کے لیے جو اسے مکمل کرنے کے خواہش مند ہوں اس کا سب سے بڑا فائدہ ماں کو ہوتا ہے کہ وہ اپنی صحت اور ضروری اجزائے قوی کو بحال کر لے جو دوران حمل اور وضع حمل میں ضائع ہوتے ہیں۔لہذا کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا اس حوالے سے جو مزاج ہے وہ فطرت کے بالکل عین مطابق ہے اور اگر مدت رضاعت پر قیاس کیا جائے تو اس سے اولاد کی پیدائش کے مابین کم از کم وقفہ دو سال کا قرار دیا جا سکتا ہے جو کہ لازمی بات ہے اگلے حمل کی مدت کو ملا کر تقریبا تین سال کا ہو جاتا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ ماں اور بچے کی صحت کا برقرار رکھنا ہے۔

اور یہ وقفہ اس کیفیت میں بھی جائز ہے جب ماں کی صحت اجازت نہ دیتی ہو یا وہ کسی ایسی بیماری میں ہو جس کا علاج دیرپا ہو تو اس حالت میں فقہاء بھی وقفہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

## حفظان صحت کی نفسیات:

اسلام میں صفائی ستھرائی کو کو پاکیزگی کے مترادف سمجھا گیا ہے اور اس اسلامی شریعت میں بدن،کپڑے اور رہنے کی جگہ کو پاک صاف رکھنا ہے۔قرآن مجید میں تیس سے زائد مقامات پر پاکی و صفائی کا تذکرہ تسلسل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ(24)

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے سے محبت رکھتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں سے بھی محبت رکھتا ہے

اسلام نے ہر عبادت سے قبل انسانی جسم کے لیے صفائی اور پاکی کو ضروری قرار دیا ہے بچے کو بچپن سے ہی صفائی رکھنا سکھائیں ۔ ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے اور ان کو یہ سمجھائیں کہ اللہ رب العزت پاکیزہ رہنے والوں سے محبت فرماتے ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے واللہ یحب المتطھرین ۔ترجمہ ۔اور اللہ تعالیٰ طہارت کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں کہیں فرمایا الطھور شطر الایمان ۔ پاکیزگی تو آدھا ایمان ہے !اگر آپ بچے کو اچھی طرح سمجھائیں گے تو پھر بچہ صاف رہنا پسند کرے گا۔ چنانچہ اچھے لوگ پیدا نہیں ہوتے اچھے لوگ تو بنائے جاتے ہیں ماں اپنی گودوں میں لوگوں کو اچھا بنا دیا کرتی ہیں گرمی کے موسم میں بچے کو روزآنہ غسل کروائیں کپڑا گندہ دیکھیں تو فوراً بدل دیں بستر ناپاک ہرگز نہ رہنے دیں فوراًاسے پاک کریں بہرحال بچے کی یہ ڈیوٹی تو دینی ہی پڑتی ہے اور اسی پر ماں کو اس کا اجروثواب ملتا ہے لہذا بچوں کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔اور حوالے سے جسم کے مختلف اعضاء کی صفائی جیسے ہاتھ، سر، آنکھوں ناک، کان، منہ، کپڑے، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اس لیے کہ ماہرین نفسیات اپنی تحقیقات کے نتیجے میں لکھتے ہیں کہ: وہ بچہ جو جسمانی صفائی اور طہارت کے ساتھ رہتا ہے اس کی روحانی اور ذہنی تربیت بہت آسان ہوجاتی ہے

## تربیت کے نفسیاتی اسلوب:

اسلام نے جن امور کو خاصی اہمیت دی ہے ان میں مسلمان کی دماغی اور تفسیاتی بہتری بھی شامل ہے عمدہ دماغی صحت اور نفسیاتی بہتری کا راز دو چیزوں میں مضمر ہے اول بچے کی تربیت میں نفسیات کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی انداز اورع اسالیب اختیار کیے جائیں جن سے بچے میں کوئی منفی انداز نہ درآئے اور دوسرا اہم عمل بچے کو سب سے پہلا سبق اللہ تعالی کے حوالے سے دینا چاہیے جس کے بعد اس کی مکمل زندگی توحید کے زیر اثر گزرتی ہے۔

علم نفسیات میں بہت ترقی ہوئی ہے اس کے باعث ماہرین نفسیات انسانی رویے کو کنٹرول کرنے اور مخفی قوتوں کو پانے میں کامیاب ہوئے ہیں ۔یہی عناصر مخصوص حالات میں کسی بھی فرد کے مزاج پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا جب اس اعتبار سے جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بچے کی نشوونما کے مختلف مراحل میں مختلف اسلوب اختیار کیے جانا چاہیے کیونکہ ان میں مختلف خصوصیتیں پوشیدہ ہیں ۔مزید برآں ایسی پیدائشی جبلتیں بھی پائی

جاتی ہیں جو بچے کی نشوونما کے ہر مرحلے میں اس کے طور اطوار پر اثر انداز ہو کرتی ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تربیت کے حوالے سے انتہائی خوبصورت موقف سامنے آتا ہے۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے یہاں رات گذاری، شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو پوچھا کہ کیا لڑکے نے نماز پڑھ لی؟ گھر والوں نے کہا ہاں پڑھ لی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے جب رات گزری جتنی کہ اللہ تعالی کو منظور تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور وضو کیا پھر نماز پڑھی (25)۔

اس حدیث پاک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو یہ سکھا رہے ہیں کہ بچوں کی پرورش و پرداخت کرنے میں ان کی دیکھ بھال کرنے کے لئے ہمیں کس طرح سے ہوشیار رہنا چاہئے۔۔،اور کس قدر دینی معاملے کا اہتمام کرنا چاہئے۔۔۔جیسا کہ یہاں حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس رات کے وقت آئے اور ان کے پاس عبد اللہ بن عباس رضی اللہ کو پایا اور وہ (عبد اللہ بن عباس) اس وقت چھوٹے تھے۔۔۔اور اپنے خالہ کے پاس ہی سو گئے تھے اور یہ مل جل کر رہنے نیز صلہ رحمی کی ایک جھلک ہے جو اپنے اعزاء و اقارب کے درمیان تعلقات کو مضبوط کرتی ہے۔۔۔تو سب سے پہلی چیز جو آپ نے ان کے بارے میں دریافت کی وہ بچے عبد اللہ بن عباس۔۔کے نماز کے بارے میں، اور یہ ایسا فرض ہے جو دین پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بچے کو اس کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیا گیا۔۔۔لہذا بچے پر زکوۃ واجب ہے اور نہ ہی حج اور اس وقت روزے کا ٹائم نہیں تھا کیونکہ آپ کا یہ پوچھنا رات میں ہوا تھا جیسا کہ حدیث میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ (بعد ما امسی) سے واضح ہوتا ہے۔اور اس وقت تک ایک مسلم آدمی اپنی دن بھر کی ساری نمازیں پڑھ چکا ہوتا ہے اسی طرح حدیث میں سرپرست (ذمہ دار) کے اپنے رعایا کی دیکھ بھال کی طرف بھی اشارہ ہے۔۔۔اور اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ذمہ داری صرف کھانا پانی اور امن وامان والے گھر وغیرہ کا انتظام کرنے کا نام نہیں۔۔۔۔بلکہ وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ (بچوں کو) دین واخلاق کی تربیت دینا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کے کھانے کے بارے میں شاید دو وجہوں میں سے کسی ایک کی بنیاد پر نہیں پوچھا، یا تو آپ کو معلوم تھا کہ ماں یا خالہ سے خود اپنے گھر میں یہ چیز چھوٹ ہی نہیں سکتی کیونکہ یہی طریقہ اس کے پیار ومحبت کو زیب دیتا ہے۔۔۔یا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے لئے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ ہم دین اور اللہ رب العالمین کی اطاعت

وفرمانبرداری کے بارے میں سوال کریں۔۔۔۔ اور حدیث شریف میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سرپرست اور ذمہ دار حضرات اپنی رعایا کی خیر و عافیت سے مطمئن ہونے کے بعد خود بھی آرام کریں۔۔۔ اور اگر ان کے بارے میں اللہ کے حضور ان سے دریافت کیا گیا تو ان کا جواب ہوگا: اے میرے رب میں نے تیری امانت پہونچادی تھی اور تیرے عہد و پیمان کی بھی حفاظت کی تھی۔

یعنی بچوں کی تربیت میں پیدائشی جبلت اور ماحول دونوں ہی اس کی تعمیر وتشکیل اور نشوونما میں بھرپور کردار ادا کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے تربیت اولاد کے حوالے سے ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو اپنی مجالس میں بٹھایا کرتے تھے جس میں وہ بڑوں سے مختلف مباحث سن کر ان کی نظریاتی تربیت ہوا کرتی تھی ایک سے زائد احادیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں اور نواسیوں کو اپنی معاشرتی زندگی میں اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے جس سے ان میں اعتماد پیدا ہوتا تھا۔ ہمیشہ اپنی رائے کے اظہار کے قابل ہوجاتا ہے۔

اس کی غلطی یا غیر موزوں فیصلے کی اصلاح اسے اپنی رائے تبدیل کرنے کا موقع دیتی ہے اور اس کے بعد وہ صحیح فیصلہ کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ بڑوں کی مجلس میں بیٹھ کر ان سے قوت فیصلہ سیکھتا ہے۔

کسی مسئلہ پر کس طرح بحث کی جاتی ہے وہ سیکھتا ہے اور کسی طرح نتیجے تک پہنچا جاسکتا ہے وہ بھی سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ زندگی کے مصائب ومشکلات سے نبرد آزما ہونے کے قابل ہوجاتا ہے۔ سطحی سوچ اختیار کرنے سے بچے گا ہر معاملہ کو گہرے غور وفکر کے بعد حل کرنے کی کوشش کرے گا

بچوں سے اپنا قلبی و ذہنی تعلق مضبوط کرنے کے لئے گھر میں قرآن وسنت کی ہفتہ وار مجلس رکھی جائے۔ ضروری نہیں کہ اس میں خشک اور یبوست زدہ ماحول ہی ہو۔ خوشگوار ماحول کے ساتھ علمی وادبی گفتگو اور مسائل پر تبادلہ خیال ہو۔ بچوں کے آپس کے تنازعات پہ افہام وتفہیم ہو۔

بچوں کو دوسروں کی طرف سے صرف اپنی تعریف سننے کا عادی نہ بنایا جائے۔ وہ بچہ جو صرف اپنی تعریف سننا چاہتا ہو، تنقید، محاسبہ یا نصیحت سننا گوارا نہ کرتا ہو اور دوسروں کی اخلاقی برتری برداشت نہ کرتا ہو، وہ کبھی اپنے کردار کو خوب سے خوب تر نہیں بنا سکتا۔ عمر کے ساتھ ساتھ یہ عادت اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی باعث تکلیف و آزار بن جاتی ہے۔ بچوں میں اس بات کا شعور ہونا چاہیے کہ غلطی کی سزا ملنا عدل ہے اور حوصلہ افزائی کے لئے اچھے کام پر انعام دینا بچوں کا حق ہے۔

والدین بچوں کی بہت سے عادات کو کھیل کود کی عمر کہہ کر نظر انداز کرتے رہتے ہیں، مگر بالغ ہو جانے پر ایک دم ان کو احساس ہوتا ہے کہ یہ تو غلط رخ پر جارہے ہیں۔ پھر وہ راتوں رات ان کو ہر لحاظ

سے معیاری درجے پر دیکھنا چاہتے ہیں، یہی ناسمجھی کی بات ہے۔ بچے کی پرورش، تعلیم و تربیت ہر سال، ہر دن اور ہر لحظہ کی ختم نہ ہونے والی منصبی ذمہ داری ہے۔ مغربی تہذیب میں بلوغت کی عمر کے بعد بچوں کو توجہ کے قابل تو کیا، گھروں میں رکھنے کے قابل تک نہیں سمجھا جاتا۔ اس غلطی کا خمیازہ وہ تہذیب بھگت رہی ہے۔ اسلام نے اولاد اور والدین کا تعلق دنیا سے لے کر آخرت تک قائم رکھا ہے۔ وہ دونوں جہانوں میں ایک دوسرے کا قرب پا کر ہی تکمیل پائیں گے۔

خودمختاری، اظہار رائے کی آزادی، معاشی طور پر خود کفیل ہونا، سماجی طور پر اپنا مقام بنانا، اپنے شریک زندگی کے بارے میں اپنی رائے رکھنے جیسے انفرادی حقوق اسلام نے عطا کئے ہیں، مگر اجتماعیت کا جو تصور اسلام نے دیا ہے، اس میں حسن بھی ہے، تکمیل بھی اور اعتدال بھی۔ حقیقت میں کسی بھی کام اور چیز میں اعتدال ہی اس کا حقیقی حسن ہے۔ 14 سے 16 اور 18 سے 22 سال تک کی عمر نئی جہتیں سامنے لاتی ہے۔ اس عمر میں والدین کی اپنے بچوں کے ساتھ دل وابستگی سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

جس طرح زمین کے اندر بیج ہر قسم کے موسم اور مصائب و آلام سے گزر کر ایک پھل دار درخت بنتا ہے، اس درخت کو پہلے سے زیادہ حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے ثمرات کو سمیٹنا اور آئندہ کی منصوبہ بندی کرنا ہی عقل مندی کی نشانی ہے، اسی طرح جوان اولاد، والدین کے لئے پھل دار باغ ہے۔ اس کو ضائع کرنا، اس سے لاپرواہ ہونا، غیروں کے رحم و کرم پہ چھوڑ دینا، ساری محنت اکارت کر دینے کے مترادف ہے۔

نفسیاتی، ذہنی، جسمانی و صنفی تبدیلیاں بچوں کو ایک نئے موڑ پہ لا کھڑا کرتی ہیں۔ اس وقت والدین کی شفقت، اعتماد اور گھر کے ماحول میں بچوں کی اہمیت انہیں سکون مہیا کرتی ہے۔ اس دور کے ذہنی، جسمانی اور ارتقائی مراحل، قابل اعتماد رشتے کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ لڑکے کے لئے باپ کی بھرپور توجہ، رہنمائی اور محبت، بھٹکنے سے بچا لیتی ہے۔ صنف مخالف کی توجہ حاصل کرنا، اس عمر کا ایک فطری مسئلہ ہے۔

الل ٹپ پرورش پانے والے بچے غلط انداز فکر میں کھو کر اپنا بہت کچھ ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے نوجوانوں کو انتہائی گھٹیا اور پست سوچ کا حامل بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، بلکہ بچے اور بوڑھے بھی اسی پستی کا شکار نظر آتے ہیں۔ صنفی جذبات میں اکساہٹ پیدا کرنے والے عوامل پیش کرنا شیطانی کام ہے۔ وہ سب لوگ جو فواحش کو پھیلاتے ہیں، لعنت کے مستحق ہیں۔

معاشرے میں جس بے راہ روی کو فروغ دیا جا رہا ہے، وہ ہماری معاشرتی زندگی کا المیہ ہے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو راہ راست پر لانے کے لئے خصوصی منصوبہ بندی اور فوری عمل درآمد کی ضرورت

ہے۔ بچوں کو اس کے متبادل چیزیں لا کر دینے میں دیر کرنا بہت بڑے نقصان کا باعث ہوسکتا ہے۔

عموماً محرم رشتے دار، جوان اولاد کے بہت سے مسائل حل کرنے کے لئے باہم اعتماد کی فضا قائم نہیں کر پاتے۔ بے وجہ کی جھجک بڑی گہری دوریاں پیدا کرتی ہے جس سے شخصیت میں ایک خلا رہ جاتا ہے۔ محصنات اور محصن شخصیت پورے خاندان کی بھرپور توجہ، محبت، شفقت، نگہبانی و اعتماد کے نتیجے میں سامنے آتی ہے۔ یہی "خاندانی" لوگ اخلاقی اقدار کی ایک محفوظ پناہ گاہ میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔ اگر وہ مددگار و معاون اور مخلص رشتے بے جا گریز کی بند کوٹھڑیوں میں دبکے اور گونگے بنے رہیں تو پھر نوجوان بچوں کی زندگی میں ایک خوفناک خلا پیدا ہوتا ہے۔ اس خلا کو پر کرنے کے لئے ناقابل اعتماد اور اپنے جیسے کچے ذہنوں کی مشاورت انہیں بڑی غلط راہوں پہ لے جاتی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس عمر میں بچوں کو گھر کے ماحول سے سکون وطمانیت ملے۔ ننھیال، ددھیال میں ان کی شخصیت کو مانا اور تسلیم کیا جائے۔ لڑکے کو گھر کی خواتین والدہ، بہنیں، خالائیں، پھپھیاں غرض محرم خواتین شفقت و محبت دیں۔ والد اسے اپنا دست و بازو گردانے تو اس کی ایک پر اعتماد شخصیت سامنے آتی ہے۔ اسی طرح لڑکی کو گھر کے مرد، والد، بھائی، ماموں، چچا اپنے دست شفقت سے نوازیں اور والدہ اور دیگر رشتہ دار خواتین اس کی شخصیت کو تسلیم کریں تو شائستہ اطوار اور زیادہ نکھر کر سامنے آئیں گے۔

## حواشی وحوالہ جــات:


۱۔ الحاکم أبو عبد الله محمد بن عبد الله، المستدرك على الصحيحين، كتاب معرفة الصحابة رضي الله عنهم، مناقب الحسن والحسين ابني بنت رسول الله صلى الله عليه، دار الكتب العلمية، بيروت، 1990م، حديث:4730

۲۔ البخاري، ابو عبدالله، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من ترك صبية غيره حتى تلعب به، دار الشعب، القاهرة، الطبعة الأولى، 1407–1987، حديث:5654، 3071

۳۔ البخاري، ابو عبدالله، صحيح البخاري، كتاب فرض الخمس، باب قول الله تعالى: فأن لله خمسه وللرسول، حديث:2964

۴۔ البخاري، ابو عبدالله، صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب وضع الصبي على الفخذ - حديث: ٣٠٠٦

۵۔ البخاري، ابو عبدالله، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، أبواب سترة المصلي، باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، حديث:503

۶۔ البخاري، ابو عبدالله، صحيح البخاري - كتاب العلم، باب متى يصح سماع الصغير؟ -

حدیث:77
۷۔ أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق السِجِستاني، سنن أبي داود، دار الرسالة العالمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1430ه/2009م، حديث:4991
۸۔ البخاري، ابو عبدالله، صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب وضع الصبي على الفخذ - حديث:5664
۹۔ البخاري، ابو عبدالله، صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين - حديث:5067
۱۰۔ القشيرى، مسلم بن حجاج، صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب إدارة الماء واللبن ونحوهما عن يمين المبتدئ، دار المعرفة، بيروت، 2001ل، حديث:3879
11۔ احمد بن حنبل، مسند أحمد بن حنبل، مسند بني هاشم، مسند أبي هريرة رضي الله عنه - حديث:9338، سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الأكفاء، حديث:1963
12۔ قرآن مجید، 30/۲۱
13۔ قرآن مجید، 12/31
14۔ قرآن مجید، 195/3
15۔ نعيم بن حماد، الفتن، ما وقت في الفتن من الأوقات للسنين والشهور والأيام، دار المعرفة، بيروت، 2005م، حديث:1961
16۔ الحاكم، المستدرك على الصحيحين، كتاب الفتن والملاحم، أما حديث أبي عوانة - حديث:5214
17۔ قرآن مجید، 151/7
18۔ قرآن مجید، 6/66
19۔ الحاكم، المستدرك على الصحيحين، كتاب الأشربة، حديث:7270
20۔ الحاكم، المستدرك على الصحيحين، كتاب الفتن والملاحم، أما حديث أبي عوانة - حديث:8602
21۔ البخاري، ابو عبدالله، صحيح البخاري، كتاب الطب، باب ما أنزل الله داء إلا أنزل له شفاء - حديث:5362
22۔ البخاري، ابو عبدالله، صحيح البخاري، كتاب العتق، باب العبد راع في مال سيده - حديث:2439
23۔ قرآن مجید، 15/46
24۔ قرآن مجید، 222/2
25۔ أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق السِجِستاني، سنن أبي داود، دار الرسالة العالمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1430ه/2009م، حديث:1150